بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلامِ نبوی ﷺ کی تاثیر

سید عزیز الرحمٰن

زبان و بیان:

زبان و بیان قدرت کا عطیہ ہے، قرآن حکیم نے نطق لسان اور ذوق بیان کو اللہ تعالیٰ کی ایک اہم اور عظیم نعمت قرار دیا ہے۔ اور اس کی اس حیثیت کو کئی مقامات پر بیان کیا ہے، سورۂ رحمٰن میں فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُO عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَO عَلَّمَهُ الْبَيَانَ O (۱)

رحمٰن نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان عطا کیا۔

حضرت حسن بصریؒ کی تصریح وتفسیر کے مطابق یہاں بیان سے مراد نطق اور گویائی ہے، (۲) اور در حقیقت اسی نعمت کی بنا پر انسان کو جملہ مخلوق پر فوقیت حاصل ہوئی، اور وہ اشرف المخلوقات کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہوا، کیوں کہ عقل وشعور اور نطق وبیان کی عظیم نعمت کی تکمیل در حقیقت قرطاس وقلم کی محتاج تھی، جب کہ دولت علم کا عطیہ دراصل عقل وشعور کی تربیت اور نطق وبیان کو رعنائی بخشنے کے لئے تھا، انسانیت کے لئے خلاق ازل کا یہ عطیہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اگر انسان کو اس کے ظرف کے مطابق علم کی دولت میسر نہ آئے تو اس کی شخصیت میں نہ تو اعتدال وتوازن پیدا ہوسکتا ہے، نہ اس کی نطق بیان کی صلاحیت کو جلا مل سکتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ افصح العرب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شرف نبوت سے نوازا گیا تو قرآن حکیم میں تخلیق انسانی کے مختلف مدارج کا ذکر کرکے اس احسان خداوندی کی یاددہانی کے ساتھ ساتھ دولت علم اور قرطاس وقلم کی عظمت کا بھی اعلان ہوا۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَO خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍO اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُO الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِO عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْO (۳)

اپنے اس رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو ایک

لوتھڑے سے تخلیق کیا، پڑھ کہ تیرا رب تو سب سے زیادہ بزرگی والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

امام ادب جاحظ زبان کے اوصاف اور اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

هو أداة يظهر بها البيان، وشاهد يعبر عن الضمير، و حاكم يفصل الخطاب، وناطق يرد به الجواب، شافع تدرك به الحاجة، وواصف تعرف به الأشياء، وواعظ ينهي عن القبيح، ومعز يرد الأحزان، ومعتذر يدفع الضغينة، وزارع يحرث المودة، وحاصد يستاصل العداوة، وشاكر يستوجب المزيد، ومادح يستحق الزلفة، ومونس يذهب بالو حشة (۴)

زبان ایک آلہ ہے، جس سے اظہار بیان کا کام لیا جاتا ہے، وہ ایک شاہد ہے جس سے مافی الضمیر کی تعبیر کی جاتی ہے، وہ ایک حاکم ہے جو خطاب کی صفائی کا حامل ہے، ایک ناطق ہے جس کے ذریعے جواب دیا جاتا ہے، ایک سفارش کنندہ ہے جس کے سہارے حاجت روائی کی جاتی ہے، ایسا وصاف ہے، جس سے اشیا کا تعارف حاصل ہوتا ہے، وہ ایک واعظ ہے جو منکرات و قبائح سے روکتا ہے، یہ زبان غموں کو دور کر کے تسلی دینے والی ہے، معذرت کر کے کینہ ختم کرتی ہے، محبت کا بیج بوتی اور عداوت کی بیخ کنی کرتی ہے، شکر گزاری کر کے اضافۂ نعمت کا باعث بنتی ہے، اور تعریف کر کے ممدوح کے قرب کی مستحق ہو جاتی ہے، نیز وہ ایک مونس ہے، جو وحشت کو دور کرتی ہے،

فصاحت و بلاغت اور زود بیانی و قوتِ تکلم کو اہل عرب کے ہاں ہمیشہ سے نہایت اہمیت حاصل رہی ہے۔ سہل بن ہارون بیان یعنی فصاحت و بلاغت سے مملو کلام اور قوتِ تکلم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

العقل رائد الروح، والعلم رائد العقل، والبيان ترجمان العلم، (۵)

عقل روح کو ہنکاتی ہے، اور علم عقل کی راہنمائی کرتا ہے، اور بیان علم کا ترجمان ہے

نیز وہ اہل عرب کا قول نقل کرتا ہے:

حیاة المرؤة الصدق، وحیات الروح العفاف، وحیاة الحلم العلم،
وحیاة العلم البیان (۶)

مروت کی زندگی سچائی سے ہے، روح کی حیات پاک دامنی سے، اور حلم کی زندگی علم سے ہے، اور علم کی حیات بیان (قوت تکلم) سے وابستہ ہے،

یہی وجہ ہے کہ خطابت کے لئے بھی جو کہ نطق و بیان کے ایک اہم مظہر کی حیثیت رکھتی فصاحت و بلاغت بنیادی شرط ہے۔ ابوداؤد بن حریز کہتا ہے:

رأس الخطابة الطبع، وعمودها الدربة، وجناحاها روایة الکلام،
وحلیها الاعراب، وبهاؤها تخیر الألفاظ، والمحبة مقرونة بقلة
الا ستکراه (۷)

عربی زبان:

عربی زبان مسلمانوں کی سرکاری زبان قرار دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ یہ ان کی دینی و علمی زبان ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کی جانب مسلمانوں کو خصوصیت سے توجہ دلائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

احبوا العرب لثلاث، لأنی عربی، والقرآن عربی، وکلام أهل
الجنة عربی (۸)

عرب سے تین وجوہ سے محبت کرو، میں عرب ہوں، قرآن عربی ہے، اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی،

دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا سالتم الحوائج فاسئلوا العرب، فانها تعطی لثلاث خصال،
کرم باحسابها، واستحیاء بعضها من بعض، والمؤاساة للّٰه، ثم
قال من ابغض العرب ابغضه الله (۹)

جب تم کسی سے سوال کرنا چاہو تو تم عرب ہی سے سوال کرو، کیوں کہ تین خصلتوں کی وجہ سے وہ تمہیں ضرور دے گا، ایک شرافت حسب و نسب کی وجہ

سے، دوسرے آپس میں ایک دوسرے سے حیا کرتے ہوئے اور تیسرے اللہ کی راہ میں خیر خواہی کے جذبے سے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عرب سے بغض رکھتا ہے اللہ اس کو ناپسند کرتا ہے۔

عربی زبان قرآن کی زبان ہے، اور قرآن حکیم نے اسے عربی مبین یعنی ظاہر، واضح اور کھول کر بیان کرنے والی زبان قرار دیا ہے۔(۱۰)، یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ قرآن کریم قریش کی زبان میں ان کی لغت کے مطابق نازل ہوا۔(۱۱)

عربی زبان کو قدرت نے بے شمار لفظی و معنوی محاسن و فضائل سے نوازا ہے، اگر ہم اس زبان کی صوتی و معنوی ہم آہنگی پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ زبان ہر معنی کے لئے ایک خاص آواز رکھتی ہے۔ اس میں حروف کی حرکت و تکرار ایک مخصوص معنی کے اظہار کا ذریعہ بنتی ہے۔ حروف کی قلت و کثرت معنی میں کمی بیشی کا سبب ہوتی ہے، پھر مختلف اوزان اور ان کے مطابق مادے سے مشتقات کا ایک معین معنی کے لئے مخصوص ہونا اس امر کی بین شہادت ہے کہ یہ زبان انتہائی سائنٹفک، مرتب اور با اصول و با قاعدہ ہے۔ اس زبان کے قواعد و اصول کا گہرا مطالعہ اس زبان کے مختصر و جامع ہونے کی بین شہادتیں پیش کرتا ہے اور ان تمام امور پر غور و خوض سے اس سوال کا جواب ملتا ہے کہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے آخری ضابطہ حیات عربی زبان ہی میں کیوں بھیجا گیا۔(۱۲)

یہاں یہ سوال بھی اہمیت رکھتا ہے کہ عربی مبین سے کونسی زبان یا عربی کا کونسا لہجہ و اسلوب مراد ہے؟ سو اس حوالے سے حضرت بریدہؓ سے منقول ہے کہ لسانِ عربی مبین سے مراد لسان جرہم ہے۔(۱۳)

جرہم قریش کے ننہال مورثِ اوّل کا نام ہے جس کے خاندان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی کی تھی۔

اسی طرح یاقوت نے ہشام کلبی کی روایت سے لکھا ہے:

والـلسـان السادس ممن انطقه اللّٰه في عربية بلسان لم يكن قبلهم اسـمـاعيل بن ابـراهيم نطقوا بالمبين، وهو السادس ممن تكلم بـالـعربية هـو وبـنـوه ولسـانهـم المبين، و كتابهم المبين، و هو الغالب العرب اليوم. (۱۴)

چھٹی زبان جو عرب میں اللہ تعالیٰ نے بلوائی اور رجوان سے پہلے موجود نہ تھی، وہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بلوائی، بنو اسمٰعیل مبین زبان بولے اور یہ چھٹے بزرگ ہیں جو عربی میں بولے۔ ان کی زبان اور تحریر مبین ہے اور یہی زبان آج تمام عرب کی زبانوں پر غالب ہے۔

ہمارے سامنے موجود عرب سرمایۂ ادب اس کے باوجود کہ وہ اصل سرمائے کا شاید نصف بھی نہیں ہے اور زیادہ تر حصہ امتداد زمانہ کی نذر ہو چکا ہے، بہت سی وجوہ سے بڑی وسعت اور کافی اہمیت کا حامل ہے،

عرب اور عربی :

اہل عرب کا ایک اختصاصی تعارف یہ تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے والی قوم نہ تھی، یعنی وہ امی تھے، کتابی علوم سے نا آشنا اور قلم و قرطاس سے بالکل نا بلد، بلکہ تیسری صدی ہجری کے ایک معروف مؤرخ بلاذری کے بقول تو پورے قریش میں آغاز اسلام میں صرف سترہ افراد ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے (۱۵) اگرچہ بلاذری کا بیان مکمل طور پر درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا، موضوع کے استقصا اور کتب تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی قریش کی چار ہزار کی لگ بھگ آبادی میں ۲۹، ۳۰/ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے، (۱۶) مگر اس سے اصل موضوع پر اثر نہیں پڑتا، لکھنے پڑھنے کا رجحان نہ ہونے کی بات بہرحال ثابت شدہ حقیقت ہے، اس بنا پر ابلاغ اور پیغام رسانی کے لئے عربوں نے بھی خطابت ہی کا سہارا لیا، اور اسے ایک مؤثر ذریعے کے طور پر اختیار کیا، ان کے پاس کچھ کتابی شکل میں محفوظ نہ تھا، جو کچھ تھا وہ بھی سینہ بہ سینہ چلنے والی روایات، دیدہ وروں کے مشاہدے، اور صاحبانِ حکمت کے تجربات، جنہیں وہ شعر و خطابت کے ذریعے آگے پہنچاتے رہتے تھے، اس بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ جب اسلام آیا اس وقت ابلاغ کی دو ہی صورتیں رائج تھیں یعنی خطابت و شعر (۱۷)، تو یہ بات بالکل درست ہوگی، اس وقت اصل ذمے داری قاصد ہی کی ہوتی تھی، اور وہ بزور خطابت اپنا پیغام پہنچایا کرتا تھا، اس دور میں قاصد ''ناقل'' نہیں ''قائل'' ہوتا تھا، بعد میں بھی جب فن کتاب عربوں میں عام ہوگیا، عربوں نے کتابت سیکھ لی اور خطوط کا تبادلہ ایک معمول بن گیا، تب بھی یہ روایت برقرار رہی اور اس وقت بھی قاصد میں یہ بات ملحوظ رکھی جاتی تھی کہ وہ فصیح اللسان ہو، تا کہ مافی الضمیر کو عمدہ اسلوب میں دوسروں پہنچا سکے، کیونکہ وہ عرب تھے اور والعربی ذو بديهة و ذو بيان. (۱۸) اور عربی فی البدیہہ گفتگو کرنے والا اور صاحب بیان ہوتا ہے، عرب اپنی فصاحت و بلاغت پر اس حد تک نازاں تھے کہ وہ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں ہی

نہیں لاتے تھے۔اور ان کا معیارِ فضیلت ہی فصاحت و بلاغت تھا، او ربقول جاحظ:

لان العرب اشد فخراً ببيانها و طول السنتها وتصريف كلامها وشدة اقتدارها، وعلى حسب ذالک كانت زرايتها على كل من قصّرعن ذالک التمام، ونقص من ذالک الكمال، (۱۹)

کیونکہ عرب اپنے بیان، زبان دانی اورقدرتِ کلام پر سب سے زیادہ فخر کرتے تھے، یہی سبب ہے کہ اگر کوئی شخص اس خوبی سے قاصر ہوتا، یا اس فن میں ناقص ہوتا تو وہ اسے حقیر تصور کرتے تھے،

حسنِ بیان اور بلاغتِ کلام سے محرومی کے اہلِ عرب کے ہاں ایک عیب اور قابلِ ملامت عیب تصور کیا جاتا تھا، ایک شاعر کہتا ہے،

كفىٰ بالمرء عيبا أن ترىٰ له — وجـه وليـس لـه لسـان
وما حسن الرجال لهم بزين — اذالم يسعد الحسن البيان (۲۰)

انسان کے عیب دار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اگر تم اسے دیکھو تو تمہیں اس کا چہرہ تو نظر آئے، مگر وہ زبان کے بغیر ہو،

مردانہ حسن اس وقت تک باعثِ زینت نہیں بن سکتا، جب تک اس کی تائید حسن بیان سے نہ ہوتی ہو،

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کرنی چاہی تو حضرت معاویہ بن خدیج کو منتخب کیا، انہوں نے حضرت عمرو سے خط لکھنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ کیا تم عرب نہیں ہو، کیا تم اپنا مشاہدہ بیان نہیں کرسکتے، کیا اپنی بات بیان کرنے پر تم قدرت نہیں رکھتے؟ (۲۱)

جب جلولاء مقام پر مسلمانوں کو فتح ہوئی تو امیر لشکر ہاشم بن عتبہ بن ابی الوقاص نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دینے کے لئے مالِ غنیمت خمس وغیرہ لے جانے والے قافلے میں چند آدمی ساتھ کئے، جن میں زیاد بن ابیہ جیسا خطیب بھی تھا۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے زیاد سے جنگ کی کیفیت دریافت کی، انہوں جب واقعہ بیان کیا تو ان کے اندازِ بیان نے

حضرت عمرؓ کو متاثر کیا، اور انہیں یہ انداز پسند آیا، ان کی خواہش ہوئی کہ عام مسلمانوں کو بھی اس واقعے کی اطلاع دی جائے، حضرت عمرؓ نے زیاد سے پوچھا کہ کیا یہ واقعہ عوام الناس کے سامنے بھی بیان کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں، پھر انہوں نے عوام الناس کے سامنے پورا قصہ بیان کیا اور تفصیل سے بتایا کہ کیا قصہ پیش آیا؟ کتنے افراد قتل ہوئے؟ کتنا مالِ غنیمت ہاتھ آیا؟ اور کس طرح فتح حاصل ہوئی، اس کا انداز اس قدر فصیح و بلیغ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ:

ان هذا لهو الخطيب المصقع (۲۲)

بلاشبہ یہ ایک فصیح خطیب ہے۔

اسی طرح جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ افریقہ کو فتح کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، اور انہیں واقعے کی تفصیل سے آگاہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے بھی ان کا انداز پسند کیا، اور ان سے کہا کہ کیا آپ لوگوں کے سامنے یہ واقعہ بیان کرنا پسند کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین یہ بات میں آپ کے سپرد کرتا ہوں پھر حضرت عثمان غنیؓ کھڑے ہوئے، اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں افریقہ کی فتح نصیب فرمائی، اور عبداللہ بن زبیر اس کی تفصیل آپ کے سامنے بیان کریں گے، پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا بیان شروع کیا، اور جب خطاب ختم کیا تو ان کے والد حضرت زبیر رضی اللہ اٹھے، اور ان کی پیشانی چوم لی اور فرمایا کہ باکمال لوگوں کی اولاد بھی باکمال ہوتی ہے اور فرمایا کہ:

یا بنی مازالت تنطق بلسان ابی بکر حتی صمت (۲۳)

اے بیٹے تم ابو بکرؓ کی زبان میں بول رہے تھے،

عجم اور عرب کے کلام کی خوبیوں اور اہلِ عرب کی کلامِ عجم پر برتری بیان کرتے ہوئے۔ جاحظ (م ۲۵۵ھ) لکھتا ہے:

> اہلِ فارس کا ہر کلام اور اہلِ عجم کا ہر معنی طویل غور و فکر، اجتہادِ رائے، خلوت گزینی، مشورے اور معاونت، تفکر و تعمق اور طویل کتب بینی و کتب خوانی سے حاصل ہوتے ہیں، جس میں ایک کا دوسرے سے ربط ہوتا ہے اور ہر بات متعدد وجوہ سے آپس میں تعلق رکھتی ہے، یہاں تک کہ اس غور و فکر کے ثمرات مجتمع ہو کر سامنے آجاتے ہیں، لیکن اہلِ عرب کے پاس یہ سب کچھ بدیہی اور ارتجالاً ہے

گویا کہ وہ (من جانب اللہ) ایک الہام ہے، اور ان کو نہ تو کسی سے مدد لینے کی ضرورت ہے نہ مشقت اٹھانے کی اور نہ غور وفکر و استعانت کی، انہیں صرف اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنی توجہ کلام کی جانب مبذول کریں، لڑائی، مقابلے، کشتی وغیرہ مواقع کو یاد کر کے راستے کی جانب اپنی توجہ رکھیں اور ان مقاصد کو اپنے سامنے رکھیں جن کا ارادہ کیا ہو، سو معانی از خود لشکروں کی صورت میں وارد ہوتے ہیں اور الفاظ خود بہ خود پھوٹ پھوٹ پڑتے ہیں۔ (۲۴)

کلامِ نبوی کی خصوصیت:

اہلِ عرب کے کلام کی یہ خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی موجود تھی، بلکہ رسول اللہ علیہ وسلم کے کلام کی صورت میں لسان عربی مبین کو اپنا وہ عروج ملا جس نے اسے دیگر تمام زبانوں پر ابدی اور دائمی فوقیت عطا کر دی۔ مصطفیٰ صادق رافعی کے بقول:

پختۂ انداز وادا، شانِ فصاحت، حلاوتِ کلام اور اسلوب کی سلاست سمیت کوئی ایسی صفت نہ ہوگی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں طبعی و فطری طور پر موجود نہ ہو، آپ ﷺ نے نہ تو ان کے لئے محنت و مشقت کی تھی نہ ریاضت کی تکلیف اٹھائی تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر ان اوصاف میں کامل پیدا ہوئے تھے۔ (۲۵)

وہ مزید کہتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قدرتی طور پر فصاحت کے بلند مرتبے پر فائز تھے، مگر آپ کلام میں تکلف سے کام نہیں لیتے تھے، نہ اسے مصنوعی طور پر سجانے سنوارنے کا قصد فرماتے، اور نہ تصنع کے طریقوں میں سے کسی طریقے کے متلاشی ہوتے، بلکہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنا چاہتے آپ ﷺ کا کلام اس سے بالکل تجاوز نہیں کرتا تھا۔ (۲۶)

ایک بار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم نے آپ ﷺ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما يمنعني وانما أُنزل القرآنُ بلساني، لسان عربي مبين، (۲۷)
میری فصاحت میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے جبکہ قرآن میری زبان یعنی کھلی اور واضح عربی میں نازل ہوا۔

اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا:

أنا أفصح العرب بيدا أني من قريشٍ و نشأت في بني سعد (۲۸)
میں عرب کا فصیح ترین شخص ہوں کیونکہ میں قریش میں پیدا ہوا اور میں نے بنی سعد میں پرورش پائی،

اور ان دونوں قبائل کی زبان دانی اور فصاحتِ لسانی مسلم ہے،

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت میں صحرا نشینی کی قوتِ بیان اور پختگی اور شہروں کے الفاظ کی چمک دمک اور اندازِ گفتگو کی رونق یہ تمام چیزیں ایک ساتھ جمع ہو گئی تھیں، ان کے علاوہ تائیدِ الٰہی بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھی جس کی امداد اس وحی کے ذریعے ہوتی تھی جو انسان کے احاطۂ علم سے ماورا ہے، (۲۹)

اسی بناء پر علمائے فصاحت و بلاغت یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ کلامِ عرب میں سب سے فصیح کلام کلامِ ربانی یعنی قرآنِ حکیم ہے اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔(۳۰)

محمد بن سلام نے یونس بن حبیب کا قول نقل کیا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے جو اعلیٰ نمونے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے میسر آئے ہیں، وہ کسی اور کے کلام سے میسر نہیں آ سکے، (۳۱)

کلامِ نبوی ﷺ کی تاثیر کے چند مظاہر:

سادگی سے بھرپور فصاحت و بلاغت اور پوری انسانیت کی خیر خواہی سے لبریز خیالات اور ہر معاملے میں علم و عمل میں یکسانیت اور توافق کی بناء پر ہادئ برحق، ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر تاثیر پیدا فرما دی تھی کہ جو کسی اور راہنما اور خطیب کے کلام کو نہیں حاصل ہو سکی، کلامِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تاثیر خود آپ ﷺ کے افصح العرب ہونے کی اضافی شہادت بھی ہے اور آپ ﷺ کے ہادئ برحق ہونے کی بین و روشن دلیل بھی، کتنی ہی بار ایسے مواقع پیش آئے جب آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک سے ادا ہونے والے چند جملوں نے فضا بدل ڈالی، جان لینے کی نیت سے آنے والے اپنی ہزار جانیں نچھاور کرنے پر آمادہ ہو گئے، سنگین سے سنگین صورتِ حال لمحوں میں تبدیل ہو گئی۔اور دیکھتے ہی دیکھتے منظر نامہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔اس بناء پر قریش اور مشرکین مکہ عامۃ الناس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سننے سے منع کرتے تھے اور ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص آپ ﷺ کی گفتگو نہ سننے پائے، (۳۲)

چنانچہ جب طفیل دوسی رضی اللہ عنہ جو قبیلہ دوس کے بڑے شاعر، ذہین اور سمجھدار شخص تھے، مکہ آئے تو قریش نے انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرایا اور انہیں کہا کہ اُن کا کلام سحر کی مانند ہے، وہ باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو آپ ﷺ کا کلام نہ سنیں، کیونکہ جو شخص ان کا کلام سن لیتا ہے وہ انہی کا ہو جاتا ہے، قریش کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ نے اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ سن سکیں۔

ایک روز اسی حال میں مسجد حرام کی طرف گئے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، طفیل دوسیؓ اگرچہ آپ ﷺ کا کلام سننا نہیں چاہتے تھے لیکن دل میں یہ خیال آیا کہ میں خود اچھا شاعر ہوں اور کلام کے حسن و قبح سے واقف، اس لئے یہ کلام ضرور سننا چاہئے اور اگر اچھا اور بہتر ہو تو قبول بھی کرنا چاہئے، چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر سننے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر میں نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے، طفیل دوسیؓ بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل دیئے جب آپ ﷺ گھر پہنچے تو وہ بھی پیچھے پیچھے گھر پہنچ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ اے محمد، آپ کی قوم نے مجھے اس قدر ڈرایا کہ میں نے اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ کہیں آپ کی آواز مبارک میرے کانوں میں نہ پڑ جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ میں آپ کا کلام سنوں سو میں نے حسین و بھلا کلام سنا، سو میرے سامنے اپنی دعوت پیش کیجئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی، طفیل دوسیؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے اس سے بہتر کلام آج تک نہیں سنا تھا، اور نہ اسلام سے زیادہ معتدل دین کسی کا پایا، پھر وہ اسلام لائے، حق کی گواہی دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی قوم میں تشریف لے گئے اور ان کو دعوتِ اسلام دی ان کی دعوت پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔(۳۳)

حضرت ضماد ازدوی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ

not

فصاحت و بلاغت کا ایک بڑا ثبوت ہے، ضماد ازدوی یمن کے باشندے تھے اور ان کا تعلق قبیلۂ ازدشنوءۃ سے تھا، وہ جنون وغیرہ کا علاج کیا کرتے تھے، وہ ایک بار مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے اہل مکہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہیں (نعوذ باللہ) وہ یہ سن کر کہنے لگے کہ کیا خبر اللہ تعالیٰ ان کے جنون کا علاج میرے ہاتھ سے کرا دے، وہ آپ ﷺ سے ملے اور کہنے لگے کہ میں جنون کا علاج کرتا ہوں اور اللہ نے بہت سوں کو میرے ذریعے شفا دی ہے سو کیا آپ کا علاج کروں، ان کی یہ گفتگو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے کے یہ کلمات ارشاد فرمائے:

ان الحمد لله، نحمده و نستعينه، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، و أشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، أما بعد!

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ ہی راستہ نہ دکھائے تو اس کی کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اما بعد،

آپ ﷺ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ ضماد رضی اللہ عنہ کہہ اٹھے کہ یہ کلمات دوبارہ کہیے، سو آپ ﷺ نے یہ کلمات ان کے سامنے تین بار دہرائے، اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ میں نے بہت سے کاہنوں، ساحروں اور شعراء کے کلام سنے ہیں، لیکن ایسا (پر اثر) کلام میں نے آج تک نہیں سنا۔ یہ کلمات تو اتھاہ سمندر کی مانند ہیں، اپنا دستِ مبارک بڑھائیے تا کہ میں اسلام پر بیعت کروں۔ (۳۴)

یہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کا اثر، ایک شخص جو بطور طبیب معالج آپ ﷺ کی خدمت میں آیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو گیا اور ایسا شخص جو خود سحر و جنون کا علاج کرتا تھا یہ کہہ کر کلام نبوت کی اثر انگیزی کا اعتراف کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ شاعروں اور کاہنوں کی مانند ہے نہ ساحروں کی طرح ہے۔

اس سے بھی بڑھ قریش کے معزز سمجھے جانے والے عمر رسیدہ سردار ولید بن مغیرہ کا واقعہ ہے، اس نے قریش کے سرداروں کو جمع کیا، موسم حج اس وقت قریب تھا، وہ ان کو جمع کر کے کہنے لگا کہ عنقریب

(حج میں شرکت کے لئے) عرب کے وفود تمہارے پاس آنے والے ہیں، انہوں نے تمہارے اس ساتھی (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصہ سن رکھا ہوگا، سو اس بارے میں تم اپنی ایک رائے قائم کرلو، ایسا نہ ہو کہ آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرتے پھرو، اور ایک دوسرے کے قول کی تردید کرنے لگو، انہوں نے کہا کہ اے عبدِ شمس (ولید کی کنیت) تم ہی کوئی رائے قائم کردو جس پر ہم اتفاق کرلیں، ولید کہنے لگا کہ نہیں تم اپنی رائے ظاہر کرو، میں تم سے سننا چاہتا ہوں، وہ کہنے لگا کہ ہم یہ کہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کاہن ہیں؟ ولید بولا کہ وہ کاہن نہیں ہیں، میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے، آپ ﷺ کا کلام کاہنوں کی بھنبھناہٹ سے میل نہیں کھاتا، پھر وہ کہنے لگے کہ کیا ہم یہ کہیں کہ وہ مجنون ہیں؟ ولید کہنے لگا کہ نہیں وہ مجنون بھی نہیں ہیں، میں نے جنون دیکھا ہے اور اسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں، آپ ﷺ کا کلام حالتِ جنون کے غیظ و غضب، تردد و تفکر اور وسوسے سے بھی نہیں ملتا۔ انہوں نے کہا تو کیا ہم یہ کہیں کہ وہ شاعر ہیں؟ ولید بولا نہیں وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم شعر سے بھی بخوبی واقف ہیں اور اس کی تمام اقسام مثلاً رجز، ہزج، قریض اور مقبوض مبسوط وغیرہ سب جانتے ہیں، وہ پھر بولے تو کیا ہم انہیں ساحر کہیں؟ ولید بولا نہیں وہ ساحر بھی نہیں، ہم نے ساحر بھی دیکھے ہیں اور ان کا سحر بھی، آپ کا کلام نہ ساحروں کا سا پھونکنا ہے نہ ان کی طرح گرہ لگانا، آخر کار قریش کے سردار بولے کہ ابو عبد الشمس ہم پھر اور کیا کہیں؟ وہ کہنے لگا:

والله ان لقوله لحلاوة، وان أصله لمغدق، وأن فرعه لجني، فما أنتم بقائلين من هذا شيئا الاعرف أنه باطل، وأن أقرب القول لأن تقولوا هذا ساحر،

واللہ ان کے قول میں عجیب حلاوت ہے، اور اس کی اصل (جڑ) نہایت تروتازہ اور اس کی شاخیں پھل دار ہیں، اور جو کچھ تم نے کہا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ وہ بالکل باطل اور لغو ہے، میرے خیال میں سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ ساحر ہیں،

اور مستدرک کی روایت میں آتا ہے کہ ولید نے سردارانِ قریش کی اس مفصل مشاورت کے جواب میں ان الفاظ میں اپنا تبصرہ پیش کیا تھا۔

والله ان لقوله الذي يقول حلاوة وأن عليه لطلاوة وأنه لمثمر أعلاه، مغدق أسفله، وأنه ليعلو ومايعلى، و أنه ليحطم ما تحته،

اور خدا کی قسم آپ ﷺ کا قول عجیب قسم کی حلاوت اور شادمانی سے بھرپور ہے، اور اس کا بلند و بالا حصہ پھل دار اور اس کا نچلا حصہ نہایت تروتازہ ہے، اور یہ کلام یقیناً بلند ہو کر رہے گا اور کبھی مغلوب نہ ہوگا، اور یہ سب کو کچل کر رکھ دے گا۔ (۳۵)

ایک ایسے شخص کی جانب سے جو نہایت عمر رسیدہ اور تجربہ کار بھی تھا اور شعر و کہانت اور سحر و جنون سمیت ان کی تمام اقسام و انواع سے بخوبی واقف بھی اور ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف و حریف بھی تھا، یہ بہت بڑی گواہی ہے اور کلامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اثر آفرینی اور تاثیر انگیزی کی ایک وقیع شہادت بھی ہے۔

اسی طرح جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور ان کے اسلام لانے سے اسلام کو تقویت ملی تو قریش کو سخت تشویش لاحق ہوئی، ایک روز تمام سردار دارالندوہ میں جمع تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرم میں تنہا بیٹھے تھے کہ ابوالولید عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا بڑا سردار اور بہت بردبار شخص تھا کہنے لگا کہ اے قریش کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چند پیشکش نہ کروں، شاید وہ کوئی بات قبول کر لیں، اور ہم انہیں پورا کر دیں، اس طرح ہم ان کی جانب سے لائے ہوئے اس مسئلے سے بھی نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ قریش نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔

عتبہ بن ربیعہ وہاں سے اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے بھتیجے! تم ہم میں خاندان و قبیلے کے شرف اور نسب کی عظمت کے لحاظ سے نمایاں (اور سب سے فائق) حیثیت کے مالک ہو، لیکن تم نے اپنی قوم کو ایسے بڑے مسئلے میں مبتلا کر دیا ہے، جس نے تمہاری قوم کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، ان کے آباؤ اجداد کو نادان بتاتے ہو، ان کے معبودوں اور ان کے دین کو برا کہتے ہو، اور ان کے گذر جانے والے اسلاف کو کافر قرار دیتے ہو، سو آپ یہ میری بات توجہ سے سنئے، میں چند باتیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، آپ ان پر غور کر لیں شاید آپ ان میں سے کچھ قبول کر لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالولید کہو میں سن رہا ہوں، اس نے کہا: اے بھتیجے! اگر اس تمام تگ و دو سے تمہاری غرض مال و دولت ہے تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے۔ اگر تم اس طرح شرف و عزت کے خواہشمند ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں، کوئی شخص تمہارے حکم سے روگردانی نہیں کرے گا۔ اگر اس سے مقصود بادشاہ بننا ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ

بنا لیتے ہیں۔اور اگر یہ سب کچھ کسی جنون یا بیماری کے سبب سے ہے جسے آپ دور کرنے سے قاصر ہیں تو ہم کسی طبیب کو بلاتے ہیں اور جب تک آپ صحت یاب نہیں ہو جاتے ہم آپ کے علاج میں اپنا مال خرچ کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ سب سن چکے تو فرمایا: اے ابو لولید تم جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ کہہ چکے ہو؟ اس نے کہا ہاں: آپ نے فرمایا اچھا اب مجھ سے سنو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ حم سجدہ آغاز حم تنزیل من الرحمن الرحیم سے لے کر سجدے تک (۳۶) تلاوت فرمائی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے رہے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ اپنی پشت پر ٹیکے ہوئے خاموشی کے ساتھ سننے میں محو رہا، آپ ﷺ نے آیتِ سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کیا، پھر عتبہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابو الولید تم نے سن لیا! اس نے کہا ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو تم جانو اور وہ (قریش) جانیں، عتبہ اسی کیفیت میں اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، اسے دیکھ کر قریش کے سردار آپس میں کہنے لگے کہ عتبہ ایسے چہرے کے ساتھ آرہا ہے جو جاتے وقت نہیں تھا، پھر عتبہ سے ملاقات کے نتائج جاننا چاہے تو اس نے کہا:

وانی واللہ قد سمعت قولا ماسمعت مثلہ قط، واللہ ماھو بالشعر ولا الکھانة، یا معشر قریش أطیعونی و اجعلوھابی، خلوا بین ھذا الرجل و بین ماھو فیہ و اعتزلوہ، فواللہ لیکونن لقولہ الذی سمعت نبأ عظیم، فان تصبہ العرب فقد کفیتموہ بغیرکم، وان یظھر علی العرب فملکہ ملککم وعزہ عزکم و کنتم أسعد الناس بہ،

خدا کی قسم میں نے جو کچھ سنا، اس سے قبل اس جیسا کلام کبھی نہیں سنا تھا، واللہ نہ وہ شعر ہے نہ کہانت ہے، سرداران قریش، میری بات مانو، اور اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے نہ پڑو، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، خدا کی قسم میں نے جو کچھ سنا وہ بہت بڑی خبر ہے، اگر عرب اس پر غالب آگئے تو وہ تمہاری طرف سے بھی اس کو کافی ہو جائیں گے، اور اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور اس وقت تم اس کی وجہ سے بہت خوش قسمت ثابت ہو گے:

یہ سن کر اگرچہ قریش نے اس کا مشورہ نہ مانا، الٹا اسے کہنے لگے کہ تم پر اس نے اپنی زبان کے

ذریعے جادو کردیا، (۳۷)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان ہی کے معزز ترین سردار کی زبان سے اس بات کی تردید کرادی کہ نعوذ باللہ آپ ساحر، کاہن، شاعر یا مجنون وغیرہ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کی چاشنی او راثر انگیزی کا بھی اعتراف ایک بدترین مخالف سے کروادیا،

ایک اہم موقع جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سحر انگیز خطابت اور پر اثر کلام کی اثر آفرینی نے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیےاو رغلط فہموں کے شکار چند نو جوانوں کی رائے آن واحد میں تبدیل کردی، وہ واقعہ ہے جب ہوازن کے مال کی تقسیم ہو رہی تھی تو آپ ﷺ نے ''مؤلفۃ القلوب'' کو مال دیا، اس پر انصار کے کچھ نو جوانوں کو ملال ہوا کہ اس عطاو بخشش کے تو ہم زیادہ حقدار تھے، وہ کہنے لگے کہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کرے، آپ ﷺ نے قریش کو تو دے دیا اور ہمیں چھوڑ دیا، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے اب تک ٹپک رہے ہیں، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انصار کو جمع فرمایا: پھر ان سے پوچھا کہ کیا یہ بات ہوئی ہے؟ انصار نے کہا کہ ہمارے سمجھدار لوگوں میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی، صرف چند ناسمجھ نوجوانوں نے کہا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمدو ثناء کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا، آپ نے فرمایا:

> **یا معشر الانصار ألم أنکم ضلالا فھداکم اللہ، وعالۃ فاغناکم اللہ، وأعداء فألف اللہ بین قلوبکم؟**
>
> اے گروہِ انصار! کیا تم گم کردہ راہ نہیں تھے کہ تمہیں اللہ نے ہدایت دی؟ کیا تم تنگ دست نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں غنی کردیا؟ کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے کہ پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا؟

انصار نے جواب میں یہ سب باتیں تسلیم کیں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

> **واللہ ولو شئتم لقلتم فصدقتم و صدقتم، جئتنا طریداً فأویناک، وعائلاً فآسیناک، وخائفاً فأمناک، ومخذولا فنصرناک**
>
> واللہ اگر تم چاہتے تو تم یوں کہتے اور تم اپنی بات میں سچے ہوتے کہ آپ ہمارے پاس جب آئے تو بے سروسامان تھے ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا، اور آپ تنگ دست تھے ہم نے تعاون کیا او رآپ کو دشمن کا خوف تھا، ہم نے امن دیا او رآپ

کی مدد کے لئے کوئی تیار نہ تھا، ہم نے آپ کی مدد کی،

یہ سن کر انصار کہنے لگے "نہیں ہم پر اللہ او ر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

أوجدتم في نفوسكم يا معشر الأنصار في لعاعة من الدنيا تالفت بها قوماً اسلموا، ووكلتكم الى ما قسم الله لكم من الاسلام، افلا ترضون يا معشر الأنصار! أن يذهب الناس الى رحالهم بالشاء والبعير و تذهبون برسول الله الى رحالكم، فوالذي نفسي بيده لو أن الناس سلكوا شعباً و سلكت الانصار شعباً لسلكت شعب الانصار، ولولا الهجرة لكنت امراء من الأنصار، اللهم الرحم الأنصار وأبناء الانصار و أبناء أبناء الانصار

اے گروہ انصار! کیا تم اپنے دلوں میں دنیا کے اس معمولی سے مال کی محبت پاتے ہو؟ جو میں نے اسلام لانے والوں کو ان کے تالیف قلب کے لئے دیا ہے؟ اور تمہیں تو میں نے اللہ کی جانب سے تقسیم کئے ہوئے اسلام کا وہ حصہ سونپ دیا ہے جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے، اے انصار! کیا تم اس امر پر خوش نہیں کہ لوگ تو اپنے گھروں کو بکریاں اور اونٹ لے کر لوٹیں اور تم رسول اللہ کو اپنے ساتھ لے کر لوٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر تمام لوگ ایک راہ کا انتخاب کریں اور انصار دوسری راہ کا تو میں انصار کے راستے پر چلنا پسند کروں گا: اور اگر ہجرت (کی فضیلت) نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد شمار ہوتا، اے اللہ! انصار پر رحم فرما! اور انصار کی اولاد پر رحم فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے یہ جملے اس قدر اثر انگیز تھے کہ تمام حاضرین رو پڑے اور اس قدر روئے کہ روتے روتے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، اور وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے پر راضی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقسیم مال کو قبول کرتے ہیں۔ (۳۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے اعجاز تاثیر اور بھی کئی ایک واقعات کتب سیرت و

تاریخ میں ملتے ہیں، یہاں اس موضوع کو ایک واقعہ بیان کر کے ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت ضمام ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اس سلسلے میں نمایاں حیثیت اور بنیادی اہمیت کا حامل ہے، وہ بنوسعد بن بکر سے تعلق رکھتے تھے انہیں بنوسعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو مسجد نبوی کے دروازے پر اپنا اونٹ ٹھہرایا اور اسے باندھ کر مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ضمام ایک بہادر اور سمجھ دار آدمی تھے، وہ رسول اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم میں سے ابن عبد المطلب کون ہے یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن عبدالمطلب میں ہوں ضمام نے کہا محمدؐ؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، پھر حضرت ضمامؓ نے کہا اے ابن عبدالمطلب میں آپ سے کچھ سوالات کروں گا اور پوچھنے میں سختی کروں گا، سو آپ اسے محسوس تو نہیں کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں قطعاً محسوس نہیں کروں گا، سو جو تمہارے دل میں آئے پوچھو۔ انہوں نے کہا:

أنشدک اللہ الھک والہ من کان قبلک، والہ من ھو کائن بعدک، آللہ بعثک الینا رسولا؟

میں آپ کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور ان لوگوں کا معبود ہے، جو آپ کے بعد آنے والے ہیں، کیا آپ کو اللہ نے ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں،

فأنشدک اللہ الھک والہ من کان قبلک، والہ من ھو کائن بعدک، آللہ أمرک أن تأمرنا أن نعبدہ وحدہ لا نشرک بہ شیئاً، وأن نخلع ھذہ الأنداد التی کانت آباؤنا یعبدون معہ؟

میں پھر آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں، اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ کے بعد آنے والے ہیں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ ہمیں حکم کریں کہ ہم تنہا اسی اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ان بتوں کی عبادت سے منہ موڑ لیں، جن کی ہمارے آبا و اجداد اللہ کے ساتھ پرستش کیا

کرتے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں درست ہے۔

حضرت ضمام نے پھر کہا:

فأنشدک اللہ الهک واله من کان قبلک، واله من هو کائن بعدک، آللہ أمرک أن نصلی هذه الصلوات الخمس؟

میں پھر آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں، اور ان لوگوں کا معبود ہے جو آپ کے بعد آنے والے ہیں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ ہم یہ پانچ فرض نمازیں ادا کیا کریں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ضمام اسی طرح زکواۃ، روزہ، حج اور تمام احکام اسلام کا ذکر کرتے رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح قسم دے کر ہر بار استفسار کرتے رہے۔ جب وہ اس عمل سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے کہا:

فانی أشهد أن لا اله الا اللہ وأشهد أن سیدنا محمداً رسول اللہ، وسأؤدی هذه الفرائض وأجتنب مانهیتنی عنه، ثم لا أزید ولا أنقص،

سو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، میں اب یہ تمام فرائض ادا کروں گا، اور جن چیزوں سے مجھے روکا گیا ہے، ان سے میں اجتناب کروں گا۔ اور ان احکامات میں نہ تو میں زیادتی کروں گا اور نہ کمی کا مرتکب ہوں گا۔

اس کے بعد وہ اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر وہاں سے اپنی قوم کی طرف روانہ ہوگئے، جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو سب کو جمع کر کے ان سے خطاب کیا، اور ان سے سب سے پہلا جملہ جو کہا وہ یہ تھا:

بئست اللات و العزی،

لات اور عزی دونوں برے ہیں،

یہ سن کر قوم بولی اے ضمام برص اور جذام سے ڈرو، جنون سے ڈرو، حضرت ضمام بن ثعلبہ کہنے لگے کہ افسوس ہے تم پر، خدا کی قسم لات اور عزی تمہیں نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، اللہ تعالی

نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل کی ہے جس نے تمھیں ان تمام برائیوں سے بچا لیا ہے جن میں تم اس سے قبل مبتلا تھے ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں ان کے پاس سے وہ تمام احکامات لے کر آ رہا ہوں جو انہوں نے احکامات دیئے اور جن چیزوں سے منع کیا۔

راوی کہتا ہے اس روز شام نہ ہونے پائی تھی کہ اس مجمع میں ایسا کوئی شخص بچا نہ کوئی عورت جو مسلمان نہ ہو گئی ہو، (۳۹)

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت اور آپ کے کلام و خطابت کا اعجاز بیان آپ ﷺ کی نبوت کا حصہ اور آپ کا معجزہ تھا، جس نے انسانی تاریخ کے ایک کٹھن دور میں کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کا فریضہ انجام دیا، جب طرح طرح کی کمزوریاں، برائیاں اور بشری خامیاں عروج پر تھیں، آپ کے اعجازِ خطابت نے بکھرے ہوئے عرب کو ایک لڑی میں پرو دیا، اور برسوں سے باہم پیکار قبائل آن واحد میں آپس میں شیر و شکر ہو گئے، جہالتیں علم کی رفعتوں سے بدل گئیں، اور رشدتوں نے اسلام کے عدل و اعتدال کو رانہما بنالیا، قتل و غارت گری عفوو کرم کی شکل اختیار کر گئی، اور چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار نے رحم و ترحم اور ایثار و انفاق کی صورت اختیار کر لی، ان تمام انقلاب ہائے مزاج و طبیعت کے پیچھے رسولِ اکرم نبیِ امی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل خطابت اور آپ کا معجزاتی تکلم نظر آتا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم

حواشی و حوالہ جات

۱۔ القرآن/ سورۃ رحمان/ آیت ۱ تا ۴

۲۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل (م ۷۷۴ھ)/ تفسیر القرآن العظیم/ مصر، عیسی البابی الحلبی/ ج ۴، ص ۲۷۰۔

۳۔ القرآن/ سورۂ علق/ آیت ۱ تا ۵

۴۔ جاحظ، ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب، (م ۲۵۵ھ)/ البیان والتبیین/ بیروت، دار و مکتبۃ الہلال، ۱۹۹۲ء

۵۔ دکتور توفیق الواعی/ الخطابۃ واعداد الخطیب/ مصر، دار الیقین، ۱۹۹۹ء/ ص ۲۱۶

۶۔ ایضاً

۷۔ البیان/ ج ۱، ص ۵۹

۸۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، النیسابوری/ المستدرک/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء/ ج ۴/ ص ۹۸، ۶۹۹۹،

☆ طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب ابو القاسم (م

۳۶۰ھ)/ المعجم الکبیر/ موصل، مکتبۃ العلوم و الحکم،۱۹۸۳ء/ ج۱۱،ص۱۵۸، رقم۱۱۴۴۱۔

☆ ہیثمی، نورالدین علی بن ابوبکر (م۸۰۷ھ)/ مجمع الزوائد/ بیروت، دارالفکر،۱۹۹۴ء/ ج۱۰/ ص۴۵،۱۶۶۰۰،

۹۔ عجلونی/ کشف الخفا/ بیروت، مکتبہ دارالتراث / ج/ ص۲۰۲،

☆ احمد الحملاوی/ مواد الصفاتی سیرۃ المصطفیٰ/ مصر، مصطفےٰ البابی الحلبی ص۴

۱۰۔ قرآن حکیم میں عربی زبان کا متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے، مثال کے طور پر

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (یوسف۲)

ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن

أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (الرعد، آیت ۳۷)

ہم نے اتارا اس کو عربی حکم۔

أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (طٰہٰ، آیت۱۱۳)

ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ (الزمر، آیت۲۸)

عربی قرآن ٹیڑھا نہیں

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (حٰم السجدہ، آیت۳)

کتاب جس کی آیتیں مفصل ہے، عربی قرآن

أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (الشوریٰ، آیت ۷)

عربی قرآن کو تیری طرف وحی کیا۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (الزخرف، آیت۳)

ہم نے اتارا اس کو عربی قرآن

وَهَٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا (الحقاف، آیت۱۲)

یہ کتاب ہے جو تصدیق کرتی ہے، عربی زبان میں۔

دو موقع پر لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ کہا گیا ہے۔

وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ (النحل، آیت ۱۰۳)

یہ عربی مبین زبان ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (الشعراء۱۹۵)

یہ عربی مبین زبان ہے۔

۱۱۔ ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد (م۲۳۵ھ) / المصنف/ ریاض، مکتبۃ الریاض، ۱۴۰۹ھ ج۶/ ص۱۲۱، رقم ۲۹۹۶۳۔

۱۲۔ احمد حسن زیات/ تاریخ ادب عربی، مترجم عبد الرحمن طاہر سورتی/ لاہور شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۱ء/ ص۲

۱۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف/ ج۶/ ص۱۲۱، رقم ۲۹۹۶۶

۱۴۔ یاقوت حموی شہاب الدین ابو عبداللہ/ معجم البلدان/ بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۷۹ء/ ج۴/ ص۹۸۔

۱۵۔ بلاذری، ابو الحسن احمد بن یحییٰ بن جابر، (۲۷۹ھ)/ فتوح البلدان/ دارالکتب العلمیہ، بیروت،۱۹۸۳ء/ ص۸۵۷۔

۱۶۔ ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر/ کیا قریش کے خواندہ افراد کی فہرست بلاذری حتمی ہے؟/ مشمولہ مجلّہ معارف اسلامیہ/ مدیر اعلیٰ، ڈاکٹر عبد الرشید/ کلیہ

not

معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی، / ج ۳/ شمارہ
۲۰۰۱ء/ص ۴۸، ۵۰
۱۷۔ السماعی بیومی/ تاریخ الادب العربی/ بیروت،
ج ۲/ص ۱۶۳
۱۸۔ طاہر درویش/ الخطابۃ فی صدر الاسلام/ص ۱۱۸
۱۹۔ جاحظ/ ج ۳/ص ۲۶۲۔
۲۰۔ ابن قتیبہ/ عیون الاخبار/ ج ۲/ص ۱۶۹
۲۱۔ طاہر درویش/ الخطابۃ فی صدر الاسلام/ص ۱۱۸
۲۲۔ ابن کثیر/ البدایہ النہایہ/ بیروت، دارالکتب
العلمیہ، ۲۰۰۱ء/ ج ۷، ص ۶۸
۲۳۔ احمد بن عبدربہ/ العقد الفرید/ طبع لجنۃ التالیف
والترجمۃ والنشر/ مصر، ۱۹۴۰ء/ ج ۲/ص ۱۳۹
۲۴۔ جاحظ/ البیان والتبیین/ ج
۲۵۔ الرافعی، مصطفیٰ صادق/ اعجاز القرآن والبلاغۃ
النبویہ/ بیروت، دارالکتاب العربی ۱۹۹۰/
ص ۲۹۷
۲۶۔ ایضاً/ص ۲۸۲۔
۲۷۔ قاضی عیاض/ الشفاء بتعریف حقوق
المصطفیٰ ﷺ / قاہرہ، مصطفیٰ بابی الحلبی
۱۹۵۰ء/ ج ا/ص ۴۷
۲۸۔ عجلونی/ کشف الخفاء/ ج ا، ص ۲۳۲۔
☆ قاضی عیاض/ الشفاء/ ج ا، ص ۴۷
۲۹۔ قاضی عیاض/ ایضاً
۳۰۔ بکری امین/ ادب الحدیث النبوی/ قاہرہ،
مصر، ۱۹۷۵ء/ص ۱۷۱
۳۱۔ جاحظ/ البیان/ ج ۲/ص ۱۴
۳۲۔ چنانچہ حج کے موقع پر وہ مختلف راستوں پر اپنے
نمائندے مقرر کردیتے تھے جو باہر سے آنے
والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط
معلومات فراہم کرکے ڈراتے اور آپ ﷺ
کے خلاف بھڑکاتے تھے تاکہ وہ آپ ﷺ کی
گفتگو سے مستفیض نہ ہوسکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا
فضل وکرم یہ ہوا کہ اس پروپیگنڈے کے نتیجے
میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت مبارک
کا تذکرہ چہار جانب پھیل گیا اور تمام قبائل پر
آپ ﷺ کی دعوت کا چرچا ہونے لگا، ملاحظہ
کیجئے،
☆ ابن ہشام ابو محمد عبد الملک، (۲۱۳ھ)
/ السیرۃ النبویہ/ بیروت، دارالمعرف، ۱۹۷۸ء/
ج ۲/ص ۱۱، ۱۲
☆ ابن کثیر/ السیرۃ النبویہ/ بیروت، دار احیاء
التراث العربی، / ج ا/ص ۴۹۹،
☆ ابن سید الناس، ابو الفتح محمد بن محمد بن محمد،
(م ۷۳۴ھ)/ عیون الاثر/ مدینہ منورہ، مکتبہ
دارالتراث، ۱۹۹۲ء/ ج ا/ص ۱۹۱
۳۳۔ ابن قیم جوزیہ، (۷۵۱ھ) / زاد المعاد/
بیروت، موسسۃ الرسالہ، ۱۹۸۷ء/ ج ۳/
ص ۶۳۴، ۶۳۶،
☆ محمد بن یوسف الصالحی الشامی/ سبل الہدیٰ
والرشاد/ بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۳ء/
ج ۲/ص ۴۱۷
☆ علی بن برہان الدین الحلبی، (م ۱۰۴۴ھ)/
انسان العیون/ بیروت، دارالمعرف ج ۲/ص ۲۹
۳۴۔ مسلم بن حجاج ابو الحسین القشیری،
(۲۶۱ھ)/ الصحیح / بیروت، دارالکتب العلمیہ،
۱۹۹۸ء/ ج ۲/ص ۱۴۔

☆ احمد بن محمد بن حنبل ابو عبداللہ بن الشیبانی، (٢٤١ھ)/ المسند/ دار احیاء، التراث العربی، ١٩٩٣ء/ ج ١/ ص ٣٩٧، رقم ٢٧٤٤۔

☆ ابن کثیر/ السیرۃ النبویہ/ بیروت، دار احیاء العربی، ج ١/ ص ٤٥٢،

☆ سید فضل الرحمٰن/ ہادیٔ اعظم/ کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، دوسرا ایڈیشن، ٢٠٠٠ء/ ج ١/ ص ٢٦٦

٣٥۔ ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ/ ج ٣/ ص ٧٩۔

☆ حاکم/ المستدرک/ ج ٢/ ص ٥٥٠، رقم ٣٨٧٢

☆ ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ ج ٢/ ص ١١، ١٢

٣٦۔ القرآن/ سورۂ حم سجدہ/ آیت ١ تا ٣٨

٣٧۔ مکمل تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے، ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ/ ج ٣/ ص ٨٢۔

☆ ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ ج ٢/ ص ٣٥۔

☆ حلبی/ انسان العیون/ ج ١/ ص ٤٨٦۔

☆ زرقانی، محمد بن عبدالباقی/ شرح مواہب اللدنیہ/ بیروت، دار المعرفہ، ١٩٩٣ء/ ج ١/ ص ٤٥٧

٣٨۔ یہ واقعہ متعدد کتب سیرت و احادیث میں آیا ہے جزئیات و تفاصیل میں اختلاف ہے یہاں واقعے کا اکثر حصہ خصوصاً خطبہ البدایہ والنہایہ سے لیا گیا ہے اور یہ خطبہ کتب حدیث میں اس تفصیل کے ساتھ سب سے مکمل مسند احمد میں بیان ہوا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

☆ ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ/ ج ٣/ ص ٤١١۔

☆ احمد/ المسند/ بیروت، دار احیاء التراث العربی، ١٩٩٣ء/ ج ٣/ ص ٤٩٢، رقم ١٣٢٢۔

☆ مسلم/ الصحیح/ بیروت، دار الکتب العلمیہ ١٩٩٨ء/ ج ٢/ ص ١١٨، ١١٩، رقم ١٠٥٩، ١٠٦٠، ١٠٦١

☆ بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، (م ٢٥٦ھ)/ الصحیح/ مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ١٩٥٣ء/ کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، رقم ٤٣٣٠ تا ٤٣٣٣۔

☆ زرقانی/ شرح مواہب اللدنیہ/ ج ٣/ ص ٣٩

٣٩۔ احمد/ المسند/ ج ١، ص ٤٣٦، رقم ٢٣٧٦،

☆ ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ/ ج ٥/ ص ٦٤

☆ زرقانی/ شرح مواہب اللدنیہ/ ج ٤/ ص ٤٧

☆ یہ واقعہ نہایت اختصار کے ساتھ ابو داؤد نے بھی اپنی سنن میں ذکر کیا ہے

☆ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، (م ٢٧٥ھ)/ السنن / بیروت، دار الفکر ١٩٩٤ء/ ج ١، ص ١٩٥، رقم ٤٨٦، ٤٨٧

ایک نیا، دلچسپ علمی و دینی مجلّہ

ماہنامہ **الاسلام** کراچی

نگراں: ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی   مدیر: مشتاق احمد قریشی

رابطہ دفتر: احمد چیمبر، ڈاکٹر بلمو ریا اسٹریٹ، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی فون: ٢٦٢٨٠١٤